معاصر ادبی 'تفہیمات و ترجیحات' کا نگارخانہ

کلیدی لفظیات: تفہیمات، ادب، ادبی اقدار، حمد، ثنا، نعت، جمالیات، تنقیدی رویّہ، عالمگیریت، اطلاعاتی تکنالوجی، مابعد جدیدیت، ادبی تھیوری

ڈاکٹر الطاف انجم

کشمیر یونیورسٹی حضرت بل۔۱۹۰۰۰۶

ملخّص:

اُردو زبان کو ہر زمانے میں اپنے فرزانوں اور دیوانوں کی ایک کہکشاں نصیب ہوئی ہے جس کی بدولت برصغیر کے ادبی اور لسانی منظرنامے پر یہ زبان اپنی آب و تاب کے ساتھ روشن ہو رہی ہے۔ ماضی قریب میں اقوامِ متحدہ نے کسی ایک اپنی رپورٹ میں اُردو کو دنیا کی چوتھی بڑی زبان کے طور پر بتایا گیا ہے جس نے اِس کے معترضین کے کا منہ بند کر دیا ہے۔ اس تعلق سے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ ہر زبان کو اُس کے تخلیق کار، تنقید نگار، دانشور اور سب سے بڑھ کر قارئین زندہ رکھتے ہیں جن کی کاوشوں سے ہر زمانے میں وہ زبان نئے ادبی اور لسانی رویّوں اور رجحانات سے آشنا ہو جاتی ہے بلکہ کچھ قلم کاروں کے انداز و اسلوب کو اُس زمانے میں اعتبار کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں دورِ حاضر کے

ایک معروف قلم کار پروفیسر شیخ عقیل احمد کی تازہ تصنیف ''ادبی تفہمات وترجیحات'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے جس میں اُن کی تنقید نگاری اور ادبی فہم وفراست کو موضوع بنا گیا ہے۔اس مقالہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف کے تنقیدی نقطۂ نظر کو منضبط انداز میں سامنے لانے کی سعی کی گئی ہے۔اس مقالہ میں مصنف کے مختلف مقالہ جات کا جائزہ پیش کر کے اُن کی ادب فہمی اور ادبی روایات واقدار سے گہری وابستگی کو بھی انگیز کیا گیا ہے۔اس اعتبار سے یہ موصوف کو اُردو کے مستند ناقدین کی صف میں شامل کرنے کے لیے ایک اہم کاوش ہوگی۔

فی زمانہ اُردو ادب کا منظر نامہ گونا گوں اور دلچسپ تصاویر سے مزیّن ہے۔ یہ تصاویر دلکش ودلپذیر بھی ہیں اور دلسوز ودل فگار بھی۔ ویسے بھی یہ زمانہ کئی دوسری زبانوں کی طرح اُردو کے لیے بھی بڑا سخت اور جان کوش ہے۔اس زمانے میں ادبا اور شعرا کی ایک ایسی قبیل اُردو کے منظر نامے پر اپنی تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی نگارشات کے ساتھ اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہے جو اپنی پیش رو ادبی نسل کے بجائے نئے زمانے کے نئے

مسائل سے عزم وہمت کے ساتھ دست وگریباں ہے۔ایسے ہی ایک قلم کار کا نام پروفیسر شیخ عقیل احمد ہے جس نے ادبی حلقوں میں ''اُردو غزل کا عبوری دور'' کے ساتھ دستک دی اور اسی کتاب کی وجہ سے اعتبار و اعتماد حاصل کر چکے ہیں۔تا حال موصوف کی ۱۲ کتابیں شائع کر ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ دیگر انتظامی مصروفیات اور ذمہ داریوں کے باوجود سے جاری و ساری ہے۔ان کی اہم تصانیف کی فہرست مع سنِ اشاعت درج ذیل ہے:

۱۔اُردو غزل کا عبوری دور	۱۹۹۶ء
۲۔فنِ تضمین نگاری: تنقید و تجزیہ	۲۰۰۱ء
۳۔مغیث الدین فریدی اور قطعاتِ تاریخ	۲۰۰۴ء
۴۔ادب، اسطور اور آفاق	۲۰۰۹ء
۵۔پریم چند: فکشن کے فن کار اور شکیل الرحمٰن	۲۰۰۹ء
۶۔مغیث الدین فریدی کا تخلیقی کینوس	۲۰۱۰ء
۷۔ادب کے معمار: شہاب جعفری	۲۰۱۰ء
۸۔مٹّی کی خوشبو	۲۰۱۰ء
۹۔رنگِ حیات	۲۰۱۰ء
۱۰۔ادب اور جمالیات	۲۰۱۱ء
۱۱۔ادب کے معمار: مغیث الدین فریدی	۲۰۱۱ء

ان تصانیف کے علاوہ شیخ عقیل احمد نے درجنوں مقالات سُپر دِقلم کیے ہیں جومختلف اوقات میں اُردو دنیا کے موقر اور ممتاز رسائل و جرائد میں شائع ہو کر سنجیدہ علمی اور ادبی حلقوں سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں موصوف کی قدرے تازہ تصنیف ''تفہیمات و ترجیحات'' مطبوعہ ۲۰۱۹ء کے مشتملات پر گفتگو کی جائے گی۔

اس مقالے میں ''تفہیمات و ترجیحات'' کے تمام مشمولات پر الگ الگ طور پر بحث کرنا ممکن نہیں ہے تاہم اِن تمام مقالات کے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا جا سکے جہاں ڈاکٹر شیخ عقیل کی تنقید نگاری کے انفرادی رویّہ کی شناخت کا تعین ہو سکے۔ نیز تنقید میں اِن کے اسلوبِ نگارش کی خصوصیت کی طرف توجہ کی جا سکے۔ بنیادی طور پر شیخ عقیل احمد ایک صاحبِ فہم قلم کار ہیں جن کی تحریریں فکری گہرائی اور اسلوبِ بیان کی استدلالیت سے مزیّن ہوتی ہیں۔ آپ اِن کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھیں یہ خوبیاں جستہ جستہ دامنِ قاری کھینچ لیتی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''تفہیمات و ترجیحات'' سترہ مقالات کا مجموعہ ہے جس میں مختلف ادبی موضوعات کو انگیز کرنے کی عالمانہ کوشش کی گئی ہے۔ مقالات کے عنوانات اس طرح ہیں:

۱۔ حمد و ثنا کی تقدیسی معنویت؛

۲۔ قدیم ہندوستانی فلسفہ اور کالی داس کی تخلیقات میں ماحولیاتی اشارے؛

۳۔علامہ اقبال کی شاعری میں فطرت کی منظر کشی؛

۴۔بیسویں صدی میں خاکہ نگاری کی سمت ورفتار؛

۵۔عالمی بحران اور فیض احمد فیض؛

۶۔منٹو کے افسانوں میں جنس کی جمالیات؛

۷۔ہم عصر تنقیدی روّیے؛

۸۔محمد حسن کا تنقیدی وژن؛

۹۔شکیل الرحمٰن کی جمالیاتی بوطیقا؛

۱۰۔منٹو کے افسانوی اسلوب کا جمالیاتی پہلو؛

۱۱۔فلسفیانہ بصیرت اور عصری احساس کا شاعر: فرید پربتی؛

۱۲۔سیّدہ جعفر اور فلسفیانہ تنقید؛

۱۳۔نورِ مجرد کا شاعر: فرید پربتی؛

۱۴۔عنبری رحمٰن کے افسانوی میں تانیثی حسیت؛

۱۵۔نثری نظم؛

۱۶۔فراغ روہوی بحیثیتِ دوہا نگار؛

۱۷۔شموئل احمد کا افسانہ ''نملوس کا گناہ'' ایک تجزیہ؛

اِن مقالہ جات کے جائزے میں قاری کا ذہن بار بار مصنف کے ذہن کی کثیر الجہتی کی طرف مائل ہوجاتا ہے کیوں کہ انہوں نے اس کتاب میں جن مختلف موضوعات کا احاطہ کیا ہے اُن کے درمیان قطبین کا فاصلہ ہے۔ مثلاً

جہاں حمد وثنا پر مکالمہ قائم کیا گیا ہے وہیں جنس کی جمالیات کو بھی معروضی جائزے کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ اسی طرح جہاں شعری متون پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے وہیں افسانوی ادب بھی تنقیدی کسوٹی پر چڑھتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ جہاں ماحولیات کو موضوع بنایا گیا ہے وہیں جمالیات بھی مصنف کا محبوب موضوع ہے۔ اِن سب موضوعات میں اگر کوئی بات قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے تو وہ مصنف کا منفرد تنقیدی اسلوب اور متوازن علمی اور ادبی زاویۂ نظر ہے۔ زیرِ نظر کتاب کا پہلا مقالہ ''حمد وثنا کی تقدیسی معنویت'' کے نام سے موجود ہے جس میں مقالہ نگار نہایت ہی عمدگی اور گہرائی کے ساتھ حمد، ثنا، نعت اور منقبت کی تعریف وتوضیح کی ہے۔ واضح رہے کہ حمد، نعت اور منقبت کے موضوعات پر ہزاروں قلم کاروں نے لاکھوں صفحات سیاہ کیے ہیں لیکن اکثر قلم کاروں نے جب حمد کہی تو اُس عروج کو بیان نہیں کر پائے جو ربِ ذوالجلال کی صفتِ اعلیٰ ہے۔ اسی طرح جب شعرا نے نعت کے میدان میں اپنے تخیل اور تصور کے اشہبِ قلم کو دوڑانے کی کوشش کی تو حضورِ اقدس شہنشاہِ عرب وعجم، خاتم المرسلین، امام الانبیاء، شافیٔ محشر، ساقیٔ کوثر اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے جسمانی، روحانی، سماجی، سیاسی، فکری، تعمیری اور اصلاحی کو اشعار میں پیش کیا ہے۔ اکثر شعرا کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ ذاتِ صفات کو اُس فنی اور جمالیاتی دروبست کے ساتھ پیش نہیں کیا جس خوبی اور توانائی کے ساتھ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ

علیہ وسلم کو پیش کیا ہے۔ڈاکٹر شیخ عقیل نے اس نازک پہلو کو بڑے متوازن انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''علمائے دین نے یہ ہدایت دی ہے کہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لینا اسی حد تک جائز ہے جس حد تک اللہ کا مرتبہ مجروح نہ ہو لیکن 'حمد' کے شعر کے لیے مبالغہ آرائی یا غلو وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس لیے حمد میں شاعر کی بلند پروازی کو مکمل آزادی حاصل ہے۔پھر بھی 'حمد ' کہتے وقت شاعر کی تخیل کی بلند پروازی، اس اونچائی تک نہیں پہنچ پاتی ہے جس اونچائی تک نعت کہتے وقت اس کی تخیل کی بلند پروزی پہنچ جاتی ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ عشقِ اللہ کی معراج تک پہنچنے کے لیے عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہے۔ممکن ہے شاعر عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے غرق ہو جاتے ہوں گے کہ اس مقام سے نکل کر عشقِ اللہ تک پہنچ نہ

پاتے ہوں۔‘‘ ۱؎

یہ بات بالکل درست ہے کہ نعت کہنے میں شاعر کو یہ التزام رکھنا لازم ہے کہ کہیں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں خالقِ کائنات کی ذاتِ مقدس کمتر نہ نظر آئے۔ ڈاکٹر شیخ عقیل نے اس پہلو کو توجیہہ بہت عمدہ انداز میں کی ہے اور عشق کی یہ خوب صورت تاویل پیش کی ہے کہ ایک شاعر اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی جولانگاہوں سے رہائی حاصل ہی نہیں کر پاتا کہ وہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ عشق کا مرحلہ طے کرتا۔ اس اعتبار سے مقالہ نگار کی مذکورہ بالا تاویل قابلِ فہم ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں موصوف نے حمد ونعت کے حوالے سے جو مباحث قائم کیے ہیں وہ ان کی اِن اصناف پر گہری نظر کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہاں مصنف کا منفرد طرزِ فکر بھی سامنے آتا ہے جو قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جلہ شانہ کی شانِ اعظم کے بارے میں بہت ہی عمدہ خیال پیش کر کے لکھتے ہیں کہ:

> ’’اللہ کے سامنے اگر کسی بندے کو سجدہ کرنے کا ہوش باقی رہے تو اللہ کے تئیں اس کی محبت سچی نہیں بلکہ رسمی ہوگی۔ اللہ کے تئیں اگر بندے کی محبت سچی ہوگی تو ہزاروں کیا ایک سجدہ بھی نہیں کر پائے گا بلکہ اللہ کو صرف دیکھتا

رہے گا اور دیکھتے دیکھتے اپنے وجود کو اللہ کے
وجود میں ضم کر لے گا۔‘‘ ۲؎

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس اور اُس کی عظمت و رحمت کو اُس کے بندوں تک حضورِ پُرنور محمدِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا۔ بندگانِ خدا کو خدا سے مربوط کرنے کا کام جنابِ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ اس طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کو اُن کے بندوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے پہچانا ہے۔ لوگوں بالخصوص شعرا نے بہ چشمِ خود رحمتؐ للعالمین کو دیکھا ہے جب کہ خالقِ کائنات کی زیارت کا شرف کسی کو حاصل نہیں ہوا ہے الا ماشا اللہ۔ یہی وجہ ہے کہ شعرا نے نعتوں میں عمدگی کے ساتھ اعلیٰ اور افضل افکار کا اظہار کیا ہے جب کہ حمد میں وہ تخلیقی بُو باس نظر نہیں آتی ہے جو اس میں ہونی چاہئے تھی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شیخ عقیل نے علامہ اقبالؔ تک کے حمدیہ اور نعتیہ کلام کو تجزیاتی میزان پر جانچنے کی جو کوشش کی ہے وہ لائقِ ستائش ہے۔ بہر صورت موصوف کا نکتہ نظر بہت حد تک وسیع اور معلومات افزا ہے۔

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد علمی اور ادبی حلقوں میں اپنی تنقیدی خدمات کی وجہ سے بنظرِ استحان دیکھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا ہے کہ ان کی ایک درجن سے زائد کتابیں منصۂ شہود پر آ کر سنجیدہ ادبی حلقوں میں اعتبار کا درجہ رکھتی ہیں لیکن ان کی تازہ تنقیدی تصنیف ’’تفہیمات و ترجیحات‘‘ میں نظریاتی

اور عملی تنقید کے میدان میں اِن کے اختصاصات بھی کھل کر سامنے آئے ہیں جن کی بنیاد پر ہم بجا طور پر اِن کے تنقیدی رویّوں کی شناخت قائم کر سکتے ہیں۔اس کتاب میں شامل ایک اہم مقالہ ''ہم عصر تنقیدی رویّے'' کے نام سے شامل ہے جس میں موصوف نے بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ ادب کی فلسفیانہ جہات پر سیر حاصل بحث کرنے کے ساتھ ساتھ تھیوری کے مقدمات کو بھی انگیز کیا ہے جس میں 'ادبی نظریہ' کو خاص طور سے معرضِ بحث میں لانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک 'ادبی نظریہ' سے مراد ذہنِ انسانی میں موجود تصورات اور اِن تصورات کو عملی صورت میں اپنانے کے طریقۂ کار سے ہے۔وہ اپنے اس مقالے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''نظریہ' کو' ادبی نظریہ' یا 'تنقیدی نظریہ' یا 'فلسفہ ادب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ادبی نظریہ دراصل 'نظریۂ علم' یا 'علمیات' کی ایک شاخ ہے جس کے متعلق کانٹ کہتا ہے کہ ''یہ انتقادِ علم کا علم ہے'' اور نطشے کہتا ہے کہ ''یہ علم وآگہی کا علم ہے''۔ادبی نظریہ کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ ذہن میں قائم تصور اور طریقۂ کار کے امتزاج کا نام ہے، جس کا استعمال تخلیقِ ادب کے ساتھ ساتھ تفہیمِ ادب

میں بھی کیا جاتا رہا ہے۔ ’ادبی نظریہ‘ بنیادی
اصولوں کی وضاحت کرتا ہے اس لیے اسے
Tool سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس کی مدد سے
ہم ادب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔‘‘۳؎

نظریہ کوئی بھی ہو اس کا تعلق بہر حال زندگی اور مظاہرِ زندگی کی تفہیم و تعبیر سے ہی ہے۔ زندگی کے دوسرے متعلقات میں ادب ایک ناگزیر شے کی حیثیت رکھتا ہے جسے کسی بھی طور کوئی بھی باشعور اور جمالیاتی اعتبار سے تربیت یافتہ انسان نظر انداز نہیں کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کے ہر سنجیدہ محقق اور تنقید نگار کی طرح ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے بھی اس پہلو پر اپنی صوابدید کے مطابق غور و فکر کیا۔ یہ بات واضح رہے کہ اِن کی ہر بات کو تسلیم کرنا لازم نہیں ہے تاہم اِن کے خیالات سے اس گلستان میں نئی کونپلیں کھلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ادبی نظریہ کو انھوں نے اپنے طور پر موضوعِ بحث بناتے ہوئے اسے علمی آگہی سے قریب تر قرار دیا ہے۔ دیکھا جائے تو مابعد جدید ادبی تھیوری میں نظریہ سازی ایک اہم کڑی تصور کی جاتی ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ یہ دور ہی مختلف تنقیدی نظریات سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کچھ حضرات کا یہاں تک کہنا ہے کہ مابعد جدید دور میں نئے تنقیدی نظریات کی یورش ہے جو بہت حد تک درست بھی ہے کیوں کہ بیسویں صدی کے ربع آخر کے بعد سے عالمگیریت اور اطلاعاتی تکنالوجی کی روش رُبا ترقی سے دوسری چیزوں کے

ساتھ ساتھ علم وادب کے دائروں میں بھی غیر معمولی وسعت کا مشاہدہ کیا گیا ہے، جس سے مختلف علوم آپس میں ہم قرین بھی ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نظریاتی تنقید کی سطح پر جو سرگرمیاں انجام دی جا چکی ہیں یا دی جا رہی ہیں وہ اپنی سرشت میں بین العلومی ہیں۔ اسی بین العلومیت کی بُو باس سے تھیوری کی تعمیر و تشکیل ہوئی ہے۔ دیکھا جائے تو اُردو ہی کیا بلکہ دیگر زبانوں کے عام قارئین اکثر تھیوری پر گفتگو کرتے وقت ہچکچاتے ہیں کیوں کہ اس کی بنیادی وجہ یہی بین العلومیت ہے جب کہ ہماری عام قارئین کو اس کی نہ تربیت ہے اور نہ وہ اس سے شغف پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ بجائے اس کے وہ روایتی تنقید کی بھول بھلیوں میں گم ہونے کو ہی ادب شناسی تصور کرتے ہیں۔ سرسید احمد خان کی مغرب پرستی، رومانوی رجحان کی جمالیاتی بوطیقا پر اصرار، ترقی پسند ناقدین کا مارکسیت پر ایمان، جدید تنقید کا روسی ہیئت پسندی پر اعتبار وغیرہ سب ایسے تنقیدی رویّے اور نظریے ہیں جن کی فکری اساس صرف ایک ایک رویہ یا نظریہ پر قائم تھی اور اُردو کا قاری صرف اُسی ایک فکری پس منظر کے تحت تنقیدی نظریہ کو سمجھتا تھا جب کہ مابعد جدیدیت کے تحت کسی بھی ایک تھیوری کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے بیک وقت مختلف مفکرین کے فلسفیانہ افکار کو ذہن میں رکھنا لازمی بن جاتا ہے تب کہیں جا کر اُس تھیوری کو ہم فکری سطح پر انگیز کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر عقیل کو اس صورتِ حال سے بھرپور واقفیت ہے اور وہ اس معاملے میں دوسرے حضرات سے

اختلاف بھی کرتے ہیں جس سے اس میدان میں ان کی علمی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔عصرِ حاضر کے اس نظریاتی تنقید کے منظرنامے پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''موجودہ دور میں ادبی تنقید کے مقاصد اور طریقوں پر غیر معمولی اختلافات پیدا ہو رہے ہیں کیوں کہ موجودہ دور میں بے شمار تنقیدی نظریات رونما ہوئے ہیں اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ناقدین ادبی تھیوری یا نظریے کے علاوہ براعظم کے فلسفوں میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں لیکن بہت سے ناقدین اقلیتی یا دلت اور تانیثی ادب میں دلچسپی لے رہے ہیں۔بعض ناقدین تاریخیت اور نو تاریخیت کو زیرِ بحث لا رہے ہیں ۔ ماحولیاتی ناقدین نے نیچرل سائنس اور ادب میں رشتہ قائم کیا ہے۔اب اس کثیر نظریاتی دور میں ناقدین کو انتخاب کرنا ہوگا کہ کس نظریے کو اختیار کیا جائے اور کسے ترک کیا جائے یا بین العلومی نظریے کی روشنی میں تنقیدی فرائض کا کام انجام دیا جائے۔''

ہے۴

اس اقتباس سے ڈاکٹر شیخ عقیل کی تھیوری فہمی عیاں ہوجاتی ہے اور ادب شناسی میں ان کی جو خصوصیات ہیں اُن کی طرف بھی اس مقالے میں واضح اشارے ملتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ یہ مقالہ نہ صرف تھیوری کے میدان میں شیخ عقیل احمد کی دلچسپیوں کا مظہر ہے بلکہ خود تھیوری کے پیچیدہ مباحث کی تفہیم میں بھی قارئین کی مدد کرتا ہے۔

اُردو کے جید ناقدین میں پروفیسر محمد حسن اور پروفیسر شکیل الرحمٰن کئی اعتبار سے قابلِ قدر اور ممتاز ہیں۔ دونوں کا جداگانہ تنقیدی مزاج اور میلان رہا ہے۔ زیرِ تجزیہ کتاب ''تفہیمات و ترجیحات'' میں دونوں ناقدین پر مقالے بالترتیب ''محمد حسن کا تنقیدی وژن'' اور ''شکیل الرحمٰن کی تنقیدی بوطیقا'' شامل ہیں۔ اول الذکر مضمون میں صاحبِ کتاب نے محمد حسن کی ادب شناسی کا مختلف سطحوں پر جائزہ لیا ہے۔ اُردو زبان کی ابتدا اور ارتقا سے متعلق محمد حسن کے مقالے کا ڈاکٹر شیخ عقیل نے جو تجزیہ پیش کیا ہے وہ اِن کی زبان کی تاریخ کے ساتھ گہری وابستگی اور پختہ لسانی شعور کی ترجمانی کرتا ہے۔ دراصل اس مقالے میں محمد حسن نے کچھ دلچسپ خیالات کو انگیز کرتے ہوئے نئے مباحث کو جنم دیا ہے۔ وہ (محمد حسن) مانتے ہیں کہ اُردو ہندوستان میں پیدا ہوئی اور مسلمانوں نے اس زبان کے ارتقائی سفر میں عربی کے بجائے فارسی سے زیادہ استفادہ کیا۔ یہ موضوع بذاتِ خود لسانی

ماہرین اور ادبی مورخوں کے لیے اہم رہا ہے لیکن حالیہ دہائیوں میں جو پیش رفت اِن میدانوں میں نظر آرہی ہے اُس سے زبان وادب کا کوئی بھی طالبِ علم غافل نہیں رہ سکتا ہے۔ دراصل شیخ عقیل نے محمد حسن کی تصنیف ''دہلی کی اُردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر'' پر سیر حاصل بحث کی ہے جس میں اُردو زبان کی پیدائش سے لے کر صوفیائے کرام کی خدمات اور دہلی کی سیاسی ابتری جیسے اہم پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اِن سارے پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے شیخ عقیل نے محمد حسن کی تنقیدی خدمات اور خصوصیات پر گفتگو کی ہے۔ موصوف کی تحقیق وتنقید کو موضوع بحث بناتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''پروفیسر محمد حسن جتنے بڑے محقق تھے اتنے ہی بڑے تخلیق کار اور ناقد بھی۔ تحقیق، تنقید اور تخلیق کا اتنا گہرا امتزاج اُردو ادب میں کم ہی نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنی شخصیت کو کسی ایک خانے یا چوکھٹے میں قید نہیں رکھا، یہ ان کی ہمہ جہت شخصیت کی روشن علامتیں ہیں جن کی وجہ سے محمد حسن ادب کا نیّرِ اعظم بن گئے۔ مارکسیت ان کی کمزوری ضرور تھی مگر انہوں نے آنکھ بند کر کے تنقید کے کسی بھی نظریہ کو

اختیار نہیں کیا ہے۔ وہ کھلے ذہن کے انسان
تھے اور ادب کے بدلتے رویّے اور رجانات
پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس لیے وہ ادب کے
تجربہ میں عام نقادوں سے روش سے مختلف راہ
اپناتے تھے۔ وہ سائنسی طریقِ کار کے قائل
تھے اس لیے ادب کا جائزہ سائنسی طریقہ سے
لیتے تھے۔''۵۔

شیخ عقیل نے محمد حسن کی تنقید نگاری کے ضمن میں جو معروضات پیش کیے ہیں وہ اس اعتبار سے قیمتی ہیں کہ اُن میں محمد حسن کی تنقید نگاری پر وہ لیبل چسپاں نہیں کیا گیا ہے جو عام ادبی مورخین اور ادیبوں نے اُن کی شخصیت سے منسوب کر رکھا ہے۔ یہ فی ذاتہ ڈاکٹر شیخ عقیل کی علمی وسعت اور ادبی فہم و فراست کا متوازن اظہار ہے کہ انہوں نے بہ یک جنبشِ قلم محمد حسن کو کٹر پسند مارکسی نقاد کہہ کر انہیں ایک محدود خانے میں قید کیا بلکہ انہیں مارکسیت کا معتدل مفکر ضرور کہا۔ یہاں پر شیخ عقیل کے تنقیدی مزاج کا ایک نمایاں پہلو سامنے آجاتا ہے۔

محمد حسن کے ساتھ ساتھ شیخ عقیل احمد نے اُردو میں جمالیات کے معتبر نقاد و دانشور اور نامور استاد پروفیسر شکیل الرحمٰن کی تنقید نگاری کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے جس میں خصوصی طور پر اُن کی جمالیاتی تنقید کی

انفرادیت کو بحث وتمحیص کا موضوع بنایا گیا ہے۔شکیل الرحمٰن بنیادی طور پر ایک تخلیق کار ہیں لیکن تنقید کے جمالیاتی دبستان کی انہوں نے جس طرح آبیاری کی ،اُردو تنقید کی تاریخ میں دور دور تک اُن کا کوئی ہم سر نظر نہیں آتا بلکہ کہنا چاہئے کہ اس نظریہ نقد کو انہوں نے اپنے انداز سے بہت حد تک وسعت عطا کی۔موصوف نے نہ صرف اُردو کے ناموراور قدیم شعرا مثلاً امیر خسرو، بلہے شاہ، قلی قطب شاہ، میر تقی میر، نظیر اکبرآبادی، مرزا غالب، علامہ اقبال، فیض احمد فیض وغیرہ کے کلام میں جمالیاتی پہلوؤں کو تلاش کیا ہے بلکہ فکشن کے میدان میں بھی پریم چند، منٹو، وغیرہ کی خدمات کا جائزہ پیش کیا ہے۔مزید برآں شعر و ادب کے علاوہ شکیل الرحمٰن نے فنونِ لطیفہ کے دوسرے مظاہر کا بھی جمالیاتی نکتہ نظر سے مطالعہ پیش کر کے اُردو میں جمالیاتی تنقیدی دبستان کو نئے انفس و آفاق سے متصف کیا۔ زیرِ تجزیہ کتاب ''تفہیمات وترجیحات'' میں ڈاکٹر شیخ عقیل نے ''شکیل الرحمٰن کی جمالیاتی بوطیقا'' کے عنوان سے مقالہ شامل کر کے اس معتبر جمالیاتی نقاد کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اِن کی تنقیدی انفرادیت کو بیان کیا ہے جس سے خود مقالہ نگار کا تنقیدی رویہ ظاہر ہوتا ہے۔دراصل شکیل الرحمٰن نے درجنوں ادبا اور ناقدین کو اپنی فکر انگیز تحریروں سے متاثر کیا ہے جس میں دوسرے اہم لوگوں کے ساتھ ساتھ خود ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کا نامِ نامی بھی اہم ہے۔موخر الذکر نے براہِ راست شکیل الرحمٰن سے اکتسابِ فیض حاصل کرنے کے ساتھ

ساتھ ان کی کئی کتابوں کو مرتب کرنے کی سعادت بھی حاصل کر لی ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اِن دونوں کے درمیان علمی اور ادبی معاملات میں راہ و رسم کا علم بھی ہے۔ جب شکیل الرحمٰن عمر کے آخری پڑاؤ پر تھے تو شیخ عقیل نے اُن کی عیادت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا بلکہ ایک مطیع شاگرد کی طرح منسلک ہوتے رہے۔ ''شکیل الرحمٰن کی جمالیاتی بوطیقا'' میں شیخ عقیل نے اِن کی جمالیاتی تنقید کے اہم پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ مقالے کی ابتدا میں وہ شکیل الرحمٰن کی تنقید نگاری کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''بابائے جمالیات پروفیسر شکیل الرحمٰن ہندوستانی جمالیات کا تنقیدی استعارہ بن چکے ہیں ۔ انہوں نے ادب اور فنونِ لطیفہ کی جمالیاتی جہتوں سے اُردو کے قارئین کو روشناس کرایا ہے۔ 'ہندوستانی جمالیات' میں ہندوستان کی ہزاروں سال پرانی تہذیبی جمالیات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ہندوستان جمالیاتی سطح پر دیگر ممالک سے زیادہ زندہ و تابندہ نظر آتا ہے ۔ 'غالب اور ہند مغل جمالیات' میں غالبؔ کی شاعری ہی نہیں بلکہ مغل دور کے فنونِ لطیفہ کے لطافت و نزاکت

پر عالمانہ جمالیاتی بحث ہے ۔'رومی کی جمالیات' اور 'حافظ کی جمالیات'، 'تصوف اور روشنی کے فلسفے کی جمالیات' پر محیط ہے۔"٦ ۔

اس مقالے میں موصوف نے شکیل الرحمٰن کی جمالیاتی بصیرت کا جو تجزیہ پیش کیا ہے وہ اپنے آپ میں ایک عمدہ جمالیات شناسی کا مظہر ہے۔ سنسکرت کے شرنگارس کی مختلف صورتیں ہوں یا اُردو کے قدیم شاعر قلی قطب شاہ کی شاعری میں عورت کے وجودی عناصر، اُردو کی کلاسیکی مثنویوں میں فنتاسی ہو یا غالبؔ و اقبالؔ کے کلام میں روشنی کی استعاراتی توضیح؛ غرض ان سبھی جہتوں کو ڈاکٹر شیخ عقیل نے موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اسی طرح تصوف کے تعلق سے جو معلومات افزا نکات مقالہ نگار نے سامنے لائے ہیں وہ اس موضوع پر نئے امکانات کو روشن کرتے ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو یہ مقالہ شکیل الرحمٰن کی ادبی شخصیت کے پُر پیچ پہلوؤں کو سمجھنے اور اُن کی تنقیدی خصوصیات کے نمائندہ عناصر کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

زیرِ تجزیہ کتاب ''تفہیمات و ترجیحات'' میں شامل دیگر مضامین بھی ڈاکٹر شیخ عقیل کے تحقیقی اور تنقیدی مزاج کو سمجھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ دراصل وہ مختلف علمی و ادبی مباحث قائم کرتے ہوئے کئی ادبا و شعرا کی خدمات کو پیش کرتے ہوئے ان کے کام کو تحسین و تکریم کی نگاہ سے

دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو خود صاحبِ کتاب کو ایک ایسی روایت کا پاسدار بناتا ہے جو نئی نسلوں میں اساتذہ کی قدر سنجی اور عقیدت مندی کے جذبات کو ابھارتی ہے۔ ڈاکٹر شیخ عقیل بھی خود ہی اپنے اساتذہ کی نظروں میں روشن امکانات سے بھرپور شاگرد رہے ہیں جس کا اظہار پروفیسر امیر عارفی، پروفیسر عتیق اللہ، پروفیسر شریف احمد جیسی ادبی شخصیات نے دہائیوں پہلے کیا ہے۔ الحتصر یہ کہ موصوف کی یہ تصنیف ادبی تفہیم و تحسین کا ایک خوب صورت مرقع ہے جس میں مصنف کی تنقیدی صلاحیت اور نکتہ آفرینی کا قدم قدم پر قاری کو احساس ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ کتاب قدیم و جدید ادبیات کی تنقید کا عمدہ گلدستہ بھی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب ڈاکٹر شیخ عقیل کے ادبی مقام و مرتبے کے تعین میں اہم کردار ادا کرے گی۔

****

حوالہ جات:

۱۔ڈاکٹر شیخ عقیل احمد، تفہیمات وترجیحات، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی، طبع اول، ۲۰۱۹ء، ص:۱۱۔۱۰

۲۔ایضاً، ص:۱۹

۳۔ایضاً، ص:۱۲۰

۴۔ایضاً، ص:۱۳۲

۵۔ایضاً، ص:۱۳۳

۶۔ایضاً، ص:۱۴۳